حبیب الرحمٰن قاسمی

افادات مولانا سندھی

ولی اللّٰہی جماعت

نصب العین • اصول کار • خدمات • واقعات

گزشتہ سے پیوستہ

جماعت ولی اللّٰہی میں اختلاف

بالاکوٹ کے شہدار میں امیرالمؤمنین سید احمد شہید کی نعش تلاش بسیار کے باوجود مجاہدین کو نہیں ملی اس بنا پر ان میں ایک فکری اختلاف رونما ہوگیا اور جماعت دو حصوں میں بٹ گئی، ارباب حل وعقد وصاحب فہم و بصیرت کو حضرت امیر کی شہادت پر یقین تھا مگر مجاہدین کا ایک طبقہ اس بات کو ماننے کے لئے قطعی طور پر تیار نہیں تھا، انھیں اصرار تھا کہ سید صاحب روپوش ہوگئے ہیں، مناسب وقت پر ظاہر ہو کر کفار ملحدین سے جنگ کریں گے، امیر ثانی مولانا سید نصیرالدین دہلوی نے انھیں سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوئے۔

جماعت مجاہدین کا یہ فکری اختلاف میدان جہاد تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ بلاد ہند میں پھیلے ہوئے ان کے اعوان وانصار بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، دہلی مرکز میں مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی اور ان کے وابستگان عقیدۂ شہادت کے قائل تھے جب کہ ان کے بالمقابل مولانا امیر ولایت علی[1] صادق پوری امیر کی غیبوبت پر اعتقاد رکھتے تھے، مولانا امیر ولایت علی

---

[1] مولانا ولایت علی صوبہ بہار کے ایک معزز و با اثر خاندان کے چشم و چراغ تھے، آپ کے دادا احمد علی "اردل" کے قاضی (جج) تھے (اردل اب ضلع گیا کا ایک قصبہ ہے) اور نانا رفیع الدین حسن خاں جن کے آغوش تربیت

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

حضرت سید شہید بریلوی کے خاص اصحاب میں تھے، سید صاحب نے انھیں حیدرآباد، بمبئی وغیرہ کا داعی ونقیب مقرر کیا تھا، اس علاقہ میں انھوں نے قابل قدر خدمات انجام دی تھیں اور اس اطراف کے لوگ ان سے بڑی عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔

مرکز کی تبدیلی

حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی اور ان کے اصحاب ومتوسلین ۱۲۵۸ھ تک مرکز دہلی میں مصروف جہد وعمل رہے مگر جماعت ولی اللّٰہی کے درمیان اختلاف کے ختم کرنے میں کامیابی نہ مل سکی، علاوہ ازیں انگریزوں کی جانب سے دن بدن نگرانی بڑھتی رہی اور کام کرنا مشکل ہوگیا تو اپنے بھائی مولانا شاہ محمد یعقوب دہلوی کے ساتھ ۱۲۵۸ھ ۱۸۴۲ء (یعنی واقعہ بالاکوٹ کے گیارہ سال بعد) مکہ معظمہ ہجرت کر گئے تاکہ بیرونی طاقت کی امداد کے ذریعہ

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

میں آپ پروان چڑھے صوبہ بہار کے ناظم یعنی گورنر تھے۔ اپنے والد مولوی فتح علی سے بارہ برس کی عمر میں مختصرات سے فراغت حاصل کی، بعد ازاں مولوی محمد اشرف لکھنوی استاد معقول ومنقول کی خدمت میں چار سال رہ کر بڑی کتابیں پڑھیں، اسی زمانہ میں حضرت سید احمد شہید کا قافلہ لکھنو وارد ہوا اور سید صاحب کے وعظ سے متاثر ہو کر مولانا ولایت علی سید صاحب کی جماعت سے متعلق ہو گئے۔ اور پٹنہ میں تحریک کا کام شروع کر دیا، سید صاحب کی تحریک سے وابستگی کے بعد آپ کو اسوۂ نبی سے ایسا ذوق حاصل ہوا کہ اپنے ساتھیوں کی خدمت میں پیش پیش رہتے، جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لانا اپنے ہاتھ سے کھانا پکانا بھی کھودنا گارا بنانا آپ کے شوق کے کام ہو گئے تھے، سید صاحب نے جب صوبہ سرحد کا قصد کیا تو مولانا ولایت علی ہمرکاب تھے، جب آزاد قبائل میں مرکز قائم کیا گیا تو مولانا ولایت علی سفارت کابل کے لئے نامزد کئے گئے، کابل کی سفارت سے واپسی کے بعد آپ کو حیدرآباد تحریک کی دعوت کے کام پر بھیجدیا گیا، حیدرآباد سے بمبئی پہونچے اور وہاں ابھی پوری طرح بساطِ عمل بچھانے نہیں پائے تھے کہ بالاکوٹ کا دردانگیز سانحہ پیش آگیا، چونکہ حادثہ بالاکوٹ کے وقت وہاں موجود نہ تھے اس لئے یہ بھی حضرت سید صاحب کی غیبوبت کے قائل ہو گئے تھے۔ اور اپنا الگ مرکز صادق پور پٹنہ میں قائم کر لیا تھا، اس مرکز کے مستحکم ہو جانے کے بعد آپ نے بنگال کا سفر کیا پھر وہاں سے براہ بمبئی مع اہل وعیال مکہ معظمہ گئے اور حج سے فراغت کے بعد یمن، نجد، اسیر، حضرموت، نجا وغیرہ کا دورہ کیا، اس سفر میں یمن کے مشہور زیدی عالم قاضی محمد بن علی شوکانی ۱۲۵۰ھ سے سند حدیث حاصل کی اور ان کی چند تصنیفات ساتھ لائے، حج سے واپسی کے بعد سرحد میں مجاہدین کی قیادت کو سنبھالا مگر ابھی قتال وجدال کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا کہ ۱۲۶۹ھ ۱۸۵۲ء میں ۶۴ برس کی عمر میں آپ کی وفات ہو گئی۔

ہندوستان کی اندرونی تحریک کو امداد بہم پہنچائیں، مکہ معظمہ ہی میں ۱۲۶۲ھ میں آپ کی وفات ہوگئی اور ان کی جگہ پر تحریک کا کام مولانا محمد یعقوب صاحب نے سنبھال لیا۔

جماعت تقسیم ہوگئی

شاہ محمد اسحاق دہلوی مہاجر مکی کی وفات کے بعد ولی اللّٰہی جماعت باقاعدہ دو حصوں دہلوی جماعت اور صادقپوری جماعت میں تقسیم ہوگئی، شیخ احمد سعید مجددی اور ان کے برادر خورد شیخ عبدالغنی مجددی جو علی الترتیب حضرت شاہ عبدالعزیز و شاہ محمد اسحاق کے تلامذہ میں سے تھے ہندوستان میں دہلوی جماعت کے مرجع و قائد تھے

جماعت دہلوی کی قیادت اور معاونین

امیر ثانی مولانا سید نصیر الدین دہلوی کی وفات کے ایک عرصہ بعد ان کے متوسل حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی نے حجاز مقدس میں حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی کی خدمت میں دو سالہ قیام کے بعد حضرت شاہ صاحب کی ہدایت کے مطابق ہندوستان واپس آکر ۱۲۶۴ھ میں جماعت دہلوی کی زمام قیادت کو سنبھالا اور جماعت کو نئے سرے سے منظم کرنے کا کام شروع کیا تاکہ جہادی سرگرمیاں پھر سے زندہ کی جائیں، حضرت حاجی صاحب کے اس کام میں مولانا مملوک علی نانوتوی، مولانا مظفر حسین کاندھلوی، مولانا احمد علی سہارنپوری، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ رحمہم اللہ معاون و شریک رہے، اس جماعت کا اصل مرکز حجاز میں تھا اور حضرت شاہ محمد اسحاق کے برادر خورد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اس کے سربراہ اعلیٰ تھے۔

جماعت صادقپوری کا مرکز

جماعت صادقپوری کا مرکز صادق پور پٹنہ تھا، اور اس کی قیادت حضرت مولانا ولایت علی صادقپوری انجام دے رہے تھے، بہار و اڑیسہ اور بنگال کے لوگ عام طور پر انھیں سے وابستہ تھے، ۱۲۴۸ھ میں مولانا صادقپوری نے اپنے مرکز صادقپور میں بیعت جہاد کی تجدید کے لئے لوگوں کو دعوت دی اور حضرت سید احمد شہید (جو ان کے عقیدہ کے لحاظ سے زندہ مگر غائب تھے) کے نائب کی حیثیت سے اپنی امارت کا اعلان کر دیا۔ قاضی شوکانی کے تلمیذ اور ان کے ہم مسلک و ہم عقیدہ مولانا عبدالحق بن فضل اللہ بنارسی بھی حضرت مولانا صادقپوری سے وابستہ ہوگئے، اس طرح یہ حضرات صادق پوری جماعت کی تنظیم کے لئے پورے طور پر سرگرم عمل ہوگئے، لیکن حضرت شاہ محمد اسحٰق دہلوی کے پاس و لحاظ سے دہلی اور اس کے اطراف میں علانیہ اپنی دعوت نہیں دیتے تھے، حضرت شاہ صاحب کے ہجرت

مکہ کے بعد اسی سال یعنی ۱۲۵۸ھ میں مولانا امیر ولایت علی نے اپنے بھائی امیر عنایت علی غازیؒ کو بونیر روانہ کیا جو حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ کے منتظرین کا مرکز تھا، اور حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ۱۲۶۲ھ میں خود بھی بونیر پہونچ گئے۔ اور بجائے مولانا امیر عنایت علی غازی کے آپ مجاہدین کے امیر قرار پائے، مولانا ولایت علی رحمہ اللہ کو مجاہدین بونیر پر کامل اقتدار حاصل ہوجانے کے باوجود عملاً جہاد کا موقع نہ مل سکا، کیونکہ ابھی خاطر خواہ تیاری نہیں ہوسکی تھی، علاوہ ازیں ان کی جماعت حضرت امیر شہید کی رجعت کے انتظار میں رہی کہ حضرت کی حاضری کے بعد معرکۂ کارزار گرم کیا جائیگا، بالآخر اسی تیاری و انتظار کی حالت میں مولانا کی ۱۲۶۹ھ میں وفات ہوگئی:

جماعت صادق پور کے دوسرے امیر اور ان کی سرگرمیاں

ان کے انتقال کے بعد مولانا امیر عنایت[1] علی غازی امیر منتخب ہوئے، آپ نے جیسے ہی زمام قیادت ہاتھ میں لی انگریزوں کے حلیف جہاں داد خاں والی انب پر چڑھائی کردی، آپ کا یہ حملہ کامیاب رہا، جہاں داد خاں کی قوت ٹوٹ گئی اور انگریزوں کو بار بار اس کی مدد کے لئے فوجیں بھیجنی پڑیں جو ناکام رہیں مگر افسوس کہ حالات نے مساعدت نہیں کی (الف) قدیمی وفادار اکبر شاہ کے لڑکے منحرف ہوگئے (ب) ۱۸۵۷ء کی ہندوستان کی عام بغاوت نے امداد کے راستے بند کردیئے (ج) ۱۸۵۷ء کی جنگ حریت کے ناکام ہوجانے کے بعد انگریزی تازہ دم فوج نے مجاہدین پر حملہ کردیا اور انھیں پہاڑی علاقوں میں پسپا ہوجانے پر مجبور کردیا، انھیں حالات میں پیغام اجل آگیا، اور ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء میں آپ دار آخرت کو کوچ کرگئے۔

---

[1] مولانا امیر عنایت علی صادق پوری کی ولادت آبائی وطن صادق پور پٹنہ میں ہوئی اور وہیں کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت سید احمد شہید بریلوی سے وابستہ ہوگئے اور انھیں سے سلوک کی تربیت حاصل کی اور سید صاحبؒ ہی کے ہمراہ علاقہ سرحد کی جانب ہجرت کی اور جہاد و قتال میں سید صاحب کے معاون رہے، سید صاحب کی شہادت کے بعد اپنے بڑے بھائی مولانا امیر ولایت علی سے وابستہ ہوگئے، مولانا موصوف عالم و فاضل کے ساتھ نہایت جری اور بہادر بھی تھے نیز فنون حرب کے بھی ماہر تھے۔ تفصیل کیلئے دیکھیے الدر المنثور۔

جماعت صادقپور کی سیاسی سرگرمیوں کا محور حضرت امیرالشہید کی غیبت کا عقیدہ تھا، جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ یہ جماعت مخالفین کے ساتھ محاربہ میں کسی کے ساتھ اشتراک پر اس وقت تک کے لئے تیار نہیں تھی جب تک کہ امیر غائب کی رجعت وظہور نہ ہوجائے، بایں ہمہ اس جماعت میں ایسے مجاہدین بھی تھے جو امیر کی غیبت کے اس لازمی نتیجہ کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور وہ دہلوی جماعت کے ساتھ اشتراک کی جانب مائل تھے۔

جماعت صادق پوری کے اکابر

جماعت صادق پور کے اکابر میں حضرت مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی، مولانا عبدالحق زیدی بنارسی کے علاوہ مولانا سید نذیر حسین دہلوی بھی تھے جن کی تعلیم ابتدا سے متوسطات تک مولانا ولایت علی اور دیگر علماء صادق پور کے زیر درس ہوئی تھی، بعد ازاں ۱۲۴۳ھ میں دہلی آئے حضرت شاہ محمد دہلوی[1] کے تلامذہ سے اخذ وکسب کے بعد خود حضرت شاہ صاحب سے بھی استفادہ کیا۔

مولانا نذیر حسین اپنے عہد کے اذکیاء میں تھے علوم دینیہ کے ساتھ ادب ومعقول میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے، اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کے طریقہ پر مذہب حنفی کے پابند تھے اسی کے مطابق فتاویٰ بھی دیتے تھے، اور فتاویٰ عالمگیری انھیں اس طرح مستحضر تھی کہ گویا اسے سبقاً سبقاً یاد کر رکھا ہو، علمائے صادقپور سے تلمذ کا رابطہ رکھنے کے باوجود اس زمانہ میں ان کا میلان علمائے صادق پور کی جانب نہیں تھا، لیکن ۱۲۷۴ھ ۱۸۵۷ء کے بعد نہ صرف حنفیت کی تقلید سے بلکہ ائمہ اربعہ کی پیروی سے آزاد ہوکر درپئے اجتہاد ہوگئے، پھر بھی قاضی شوکانی کے پیروکاروں کی جانب ان کا رجحان بڑی حد تک نہیں تھا۔

اس جماعت کے اکابر میں ایک اہم ترین شخصیت نواب سید صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی کی بھی ہے، نواب صاحب کو مولانا عبدالحق بنارسی اور علمائے یمن سے بھی تلمذ حاصل تھا، قاضی شوکانی سے محبت کی حد تک تعلق رکھتے تھے، ان کی رائے ومسلک سے انحراف کو پسند نہیں کرتے تھے حضرت مولانا ولایت علی صادق پوری سے بھی ملاقات کی تھی۔

دونوں جماعتوں کے رجحانات

جماعت دہلوی کا میلان حضرت مولانا عبدالحیؒ[1] بڈھانوی اور حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی کی جانب

---

[1] حضرت مولانا عبدالحی بن ہبۃ اللہ بن نوراللہ بڈھانہ ضلع مظفرنگر کے ایک علمی گھرانہ میں (باقی حاشیہ برصفحۂ آئندہ)

زیادہ تھا جب کہ جماعت صادق پوری حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید کی طرف میلان رکھتی تھی، البتہ دونوں جماعتیں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز اور حضرت سید احمد شہید رحمہم اللہ کی قیادت و امامت پر متفق تھیں، لیکن بعد میں جب علماء صادق پور نے یمن کے زیدی المذہب محدثین اور نجد کے علماء حنابلہ سے اپنا رابطہ قوی کرلیا، اور مولانا اسمٰعیل شہید کی تحقیقات کو بھی ترک کر دیا اس وقت سے علوم و معارف کے باب میں دونوں جماعتوں میں اختلاف ہوگیا۔

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید کی "تقویۃ الایمان" اور شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی "کتاب التوحید" کے مطالعہ سے بخوبی ظاہر ہے کہ مشرک کی عدم[۱] مغفرت اور توسّل جیسے مسائل میں مولانا اسمٰعیل شہید اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کے نظریوں میں واضح فرق ہے، اسی طرح شاہ محمد اسمٰعیل شہید کے رسالہ "اصول فقہ" اور قاضی شوکانی کی کتاب "ارشاد الفحول" سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حضرات کے درمیان استدلال بالاجماع[۲] کے مسئلہ میں بیّن اختلاف ہے

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) پیدا ہوئے اپنے والد ماجد کے علاوہ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی، حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی ابناء حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے علوم و فنون کی تحصیل کی اپنے علم و فضل کے اعتبار سے حضرت شاہ عبدالعزیز کے تلامذہ میں اکثر پر فوقیت رکھتے تھے بالخصوص علم فقہ اور کتب درسیہ میں ان کی مہارت و حذاقت کے سب ہی قائل تھے حضرت شاہ عبدالعزیز کی دامادی کا شرف بھی حاصل تھا۔ لغات القرآن کے نام سے ان کی ایک مطبوعہ تصنیف ہے مگر اس وقت نایاب ہے ۱۲۴۳ھ میں بنجتار کے قریب موضع خار میں آپ کی وفات ہوئی اور وہیں مدفون ہیں

(۱) آیت پاک ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذالک لمن یشاء کی تفسیر پر دو فریق کا اختلاف ہے اس آیت کا ظاہری اقتضاء یہی ہے کہ شرک غیر مغفور اور ماوراء شرک دیگر گناہ قابل مغفرت ہیں، یہ اس آیت کا ظاہری اقتضاء ہے اب شرک کا اطلاق دو درجوں پر ہوتا ہے۔ شرک اکبر اور شرک اصغر، شرک اکبر تو یقیناً ناقابل مغفرت اور ابدی عذاب کا باعث ہے اس میں کسی اہل اسلام کا اختلاف نہیں، شرک اصغر کو جمہور علماء باعتبار حکم کے شرک اکبر سے الگ قرار دیتے ہیں۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب نے نص کے عموم کے پیش نظر شرک اصغر کو بھی شرک اکبر کے زمرہ میں رکھدیا اور دونوں طرح کے شرک کے مرتکب کو کافر اور ابدی عذاب کا مستحق قرار دیتے ہیں، مولانا اسمٰعیل شہید کی تحقیق یہ ہے کہ شرک اصغر کفر کے برابر نہیں کہ اس کا مرتکب ابدیت عذاب کا مستحق ہو البتہ قرآن کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک اصغر کی جو سزا مقرر ہے وہ مغفور نہیں

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب نے بھی اپنی کتاب "التاج المکلل" میں امام ابن عربی کی تکفیر سے رجوع کیا ہے، لکھتے ہیں۔

والمذهب الراجح فيه على ماذهب العلماء المحققون الجامعون بين العلم والعمل والشرع والسلوك السكوت فی شانه وصرف كلامه المخالف لظاهر الشرع الى محامل حسنة وكف اللسان عن تكفيره وتكفير غيره من المشائخ الذين ثبت تقواهم فی الدين وظهر علمهم فی الدنيا بين المسلمين وكانوا فی ذروة العليا فی العمل الصالح ومن ثم رأيت شيخنا الامام العلامة الشوكانی فی الفتح الربانی، مال الی ذلك . . . . واقول فی هذا الكتاب ان الصواب ماذهب اليه الشيخ احمد السرهندی مجدد الالف الثانی، والشيخ الاجل مسند الوقت احمد ولی الله المحدث الدهلوی والامام المجتهد الكبير محمد الشوكانی من قبول كلامه الموافق لظاهر الكتاب والسنة وتاويل كلامه الذی يخالف ظاهرهما وتاويله بما يستحسن من المحامل الحسنة الخ[1]

شیخ اکبر کے بارے میں راجح مذہب وہی ہے جو علم وعمل اور شریعت وطریقت کے جامع علمار محققین کا ان کے متعلق مذہب ہے کہ ان کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے اور ظاہر شرع کے مخالف ان کے کلام کو بہتر محمل کی جانب پھیرا جائے اور ان کی اور دیگران مشائخ کی تکفیر سے زبان کو بند رکھا جائے۔ جن کا تقویٰ دین اسلام میں ثابت اور جن کا علم بین المسلمین شائع ہے جو علم وعمل کی بلند چوٹی پر فائز تھے، اور میں نے اپنے شیخ علامہ شوکانی کو دیکھا کہ وہ اپنی کتاب الفتح الربانی میں علمار محققین کے اسی مسلک کی جانب مائل ہیں اور میں بھی اس کتاب میں کہتا ہوں کہ شیخ اکبر کے بارے میں درست اور صواب رائے وہی ہے جس کے قائل حضرت مجدد الف ثانی سرہندی، امام ولی اللہ محدث دہلوی اور امام کبیر محمد شوکانی ہیں یعنی ان کے ایسے کلام کو جو کتاب وسنت کے موافق ہیں قبول کرنا اور جو ظاہر قرآن وحدیث کے مخالف ہیں ان کی بہتر تاویل وتوجیہ کرنا۔

---

[1] التاج المکلل ص ۱۷۹ طبع شرف الدین الکتبی واولادہ بمبئی۔

مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید حجیت اجماع کے قائل ہیں جب کہ قاضی شوکانی اس کے منکر ہیں مولانا اسمٰعیل شہید کی مشہور تصنیف عبقات سے واضح ہے کہ وہ شیخ اکبر ابن عربی کے فلسفہ تصوف کے بارے میں امام ابن تیمیہ اور ان کے اصحاب سے مخالفت رائے رکھتے ہیں، اور خود مولانا سید میاں نذیر حسین دہلوی، امام ابن عربی کی عدم تکفیر میں مولانا اسمٰعیل شہید کے متبع ہیں، میاں صاحب کے سوانح نگار "الحیات بعد الممات" میں لکھتے ہیں۔

"میاں صاحب طبقہ علماء کرام میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی بڑی تعظیم کرتے اور خاتم الولایۃ المحمدیہ فرماتے، قاضی بشیر الدین قنوجی جو شیخ اکبر کے سخت مخالف تھے ایک مرتبہ دہلی اس غرض سے تشریف لائے کہ ان کے بارہ میں میاں صاحب سے مناظرہ کریں اور دو مہینے دہلی میں رہے اور روزانہ مجلس مناظرہ گرم رہی مگر میاں صاحب اپنی عقیدت سابقہ سے جو شیخ اکبر کی نسبت رکھتے تھے ایک تل کے برابر بھی پیچھے نہ ہٹے آخر مولانا ممدوح دو مہینے کے بعد واپس تشریف لے گئے۔

مولانا شمس الحق عظیم آبادی نے بھی میاں صاحب سے کئی دن متواتر شیخ اکبر کی نسبت بحث کی اور فصوص الحکم پر اعتراضات جمائے میاں صاحب نے پہلے تو سمجھایا مگر جب دیکھا کہ ابھی لانسلم کے کوچہ میں ہیں تو فرمایا کہ "فتوحات مکیہ" آخری تصنیف شیخ اکبر کی ہے اس لئے اپنی سب تصنیف سابقہ کی یہ ناسخ ہے اس جملہ پر یہ سمجھ گئے"۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہوگی وہ ضرور بھگتنی پڑے گی، مولانا شہید کی تحقیق کی رو سے قرآن کا عموم بھی باقی رہا اور دونوں طرح کے شرک اپنے اپنے درجے پر بھی باقی رہے۔

ؔ توسل فی الدعاء بحرمت فلاں کہکر اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے تو شیخ محمد بن عبدالوہاب اس کو شدت سے ممنوع قرار دیتے ہیں جبکہ تقویۃ الایمان میں مولانا شہید نے اسے جائز کہا ہے۔

ؔ اجماع کے شرعی حجت ہونے پر صدیق اکبر کی خلافت اور مصحف عثمانی کے متبوع ہونے کا مدار ہے لہذا شیعہ فرقہ اجماع کو کبھی بھی قبول نہیں کر سکتا، جب کہ اہل سنت اسے کبھی بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔

بعد میں جماعتِ صادق پوری سے متعلق بہت سارے افراد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اتباع و پیروی سے بھی الگ ہو گئے اس لئے کہ حضرت محدث دہلوی نے ائمہ اربعہ کی تقلید اور امام ابن حزم ظاہری کی تردید میں حجۃ اللہ البالغہ میں تفصیلی بحث کی ہے جب کہ یہ لوگ ائمہ اربعہ کی عدم تقلید میں امام ظاہری کے مسلک کو اختیار کئے ہوئے ہیں، ان نظری مسائل کے علاوہ دونوں جماعتوں کے درمیان فروع عملیہ میں بھی دھیرے دھیرے اختلاف اس درجہ بڑھ گیا کہ باہم مخاصمہ اور لڑائی جھگڑے تک نوبت پہونچ گئی، حالانکہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہید رکوع میں جانے اور اٹھنے کے وقت رفع یدین پر بطور استحباب کے عمل کرتے تھے، لیکن جب انھیں محسوس ہوا کہ اس عمل پر استمرار جماعت میں فتنہ برپا کر دیگا تو انھوں نے اسے ترک کر دیا، بایں ہمہ ان حضرات کے اخلاص میں شک نہیں کیا جا سکتا، انھوں نے یہ سب دین سمجھ کر ہی کیا اور ہزار قربانیاں دیکر علاقۂ بونیر میں حضرت شاہ ولی اللہ کی تحریک کو زندہ رکھا جس پر وہ بجا طور پر ذکر جمیل کے مستحق ہیں۔

ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا، ربنا انک رؤف رحیم ؎